رجسٹر نمبر اے ۹۲۲
ٹیلی فون نمبر ۲۹

تار کا پتہ
"انجمن" علی گڑھ

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند)، علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے

سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲	۱۵ ستمبر ۱۹۵۴ء	ایڈیٹر: قاضی عبدالغفار	۱۶ محرم الحرام ۱۳۷۴ھ	نمبر ۴۲

ایک بہتان

کوئی شخص جو اپنے وطن سے محبت رکھتا ہو یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ اردو اور ہندی کی بحث میں راشٹر پتا کی نیت پر بھی کوئی بہتان رکھا جا سکتا ہے لیکن معلوم ہوا کہ سب کچھ ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے۔ ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی ایک مشہور ماہر لسانیات ہیں۔ ان کا ایک مضمون پہلے تو رام کرشنا انسٹی ٹیوٹ آف کلچر کے رسالہ میں شائع ہوا اور پھر بمبئی سے کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس مضمون میں ڈاکٹر چٹرجی نے لکھا ہے کہ:

"ملک کی تقسیم کے بعد بھی مہاتما گاندھی اور کانگریس کے متعدد لیڈروں نے اپنی عام رواداری کی اسپرٹ میں یہ چاہا کہ مسلمانوں کے لئے کچھ آسانی پیدا کریں اور اس لئے انھوں نے اردو کو ہندی کے پہلو بہ پہلو سرکاری زبان تسلیم کر لیا۔ اس وقت مہاتما گاندھی اور دوسرے لوگوں کی یہ خواہش تھی کہ ہندستان کی قومی زبان کے دو روپ اور دو رسم الخط ہوں کانگریس کے اندر اکثر ہندو قوم پرستوں نے اس خیال کی سخت مخالفت کی ...."

اس مضمون کا حوالہ دیتے ہوئے معاصر چیرچن لکھتا ہے کہ:-

ان خط زدہ الفاظ کو مہاتما گاندھی سے منسوب کرنا نہایت حیرت انگیز ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ گاندھی جی تو اس بات کو بہتر سمجھتے تھے کہ زبان کی دونوں روپوں کو ملا دیا جائے۔ یہ سمجھنا بہت مشکل ہے کہ ڈاکٹر چٹرجی اس نتیجے پر کس طرح پہنچے ... ... ایک ایسے شخص کے متعلق جو ساری عمر صرف ایک زبان کا پرچار کرتا رہا جس کا اس نے "ہندی ہندستانی" نام رکھا تھا ایسی بات کہنا، ایمان فروشی ہے۔ "ہندی ہندستانی کی جو تعریف مہاتما جی کرتے تھے وہ یہ تھی کہ" وہ زبان جس کو شمالی ہندستان کے دیہات اور شہروں میں تمام ہندو اور مسلمان اور دوسرے لوگ مل جل کر استعمال کرتے ہیں اور جو فارسی اور ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور جس کے دو ادبی روپ اردو اور ہندی کے نام سے موسوم ہیں"

حیرت ہے کہ ایک ماہر لسانیات کی آنکھوں پر ہندی اور اردو کی کشمکش نے کس طرح پردہ ڈال دیا، لیکن یہ کوئی نئی واردات نہیں۔ اردو زبان کو ہندی سے الگ ایک زبان قرار دے کر خارج از بحث کرنے کا منصوبہ بہت عام ہے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اردو تو کوئی زبان ہی نہیں، کوئی صاحب اس کو بدیسی زبان قرار دیتے ہیں، کہیں وہ پاکستانی جاسوسوں کی زبان سمجھی جاتی ہے اور یہ ساری خرابی اور بے چینی صرف اس غلط خیال سے پیدا ہوئی ہے کہ اردو ہندی سے زیادہ مقبول ہے اور ہندی کی رقیب ہے، حالانکہ اگر اس حقیقت کو مان لیا جائے کہ ہندی اور اردو ایک ہی زبان کی دو شکلیں ہیں تو اس الجھاوے کا سلجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ شرم تو اس بات پر آتی ہے کہ اس وقت سیاسی اور فرقہ وارانہ تعصبات کو مہاتما گاندھی کا نام لے کر تقویت دی جاتی ہے اور راشٹر پتا کے افعال اور اقوال کی غلط تعبیر کر کے حقیقت کا چہرہ مسخ کیا جاتا ہے۔ لیکن آخر یہ کب تک؟ اگر ہندستان کی آزادی کو برقرار رکھنا ہے تو اس تمام شعبدہ بازی کو ترک کرنا ہی ہوگا۔

فرضی شاخیں

ہم لوگوں کی الحاقی تنظیموں جس قدر گڑگئی ہیں، ان کا اندازہ ان اطلاعات سے ہو سکتا ہے جو مرکزی دفتر کو وصول ہوتی رہتی ہیں۔ حال ہی میں اتر پردیش کے ایک مشاعرانہ اخبار نے ایک بے پناہ جوش کے ساتھ انجمن کے حالات پر تنقید فرماتے ہوئے یہ طعنہ بھی دیا تھا کہ ہماری زبان "میں اکثر انجمن کی شاخوں پر بہت کڑی نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ اگر معاصر موصوف خود اپنے ہی گھر کے قریب کسی شاخ کی حالت کو دیکھتا تو اسے ہمارے اس صبر و ضبط کی داد دینی چاہئے تھی جو ہم شاخوں کی بے عملی کا ذکر کرتے ہوئے ملحوظ رکھتے ہیں۔

علاوہ ان شاخوں کے جو مرکز سے ملحق ہیں اور مرکز کے متواتر شور و غل کے بعد مشاعروں اور کانفرنسوں کے انعقاد کے سوا اور کسی تعمیری تجویز پر غور نہیں کرتیں، ایک مرض یہ بھی عام ہو گیا ہے کہ مرکزی انجمن کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے فرضی شاخوں کے وجود کو مشتہر کیا جاتا ہے اور اس سے غرض (جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں) دو چار افراد کی شہرت اور نمود ہوتی ہے حال ہی میں ...... بریلی کی ایک فرضی شاخ کے سکریٹری کے نام سے کسی اخبار نے ایک مراسلہ شائع کر دیا۔ آج تک پتہ نہ چلا کہ یہ بزرگ کون ہیں اور کوئی ہیں بھی یا نہیں۔

اسی ہفتہ اخباروں میں بارہ بنکی کی ایک خبر شائع ہوئی ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ "انجمن ترقی اردو بارہ بنکی" کے زیر اہتمام یوم آزادی کے سلسلے میں ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا"۔ سکریٹری انجمن کا نام "مشتاق سید پوری" صاحب بتایا گیا ہے۔ مرکزی دفتر کو کانوں کان خبر نہیں کہ بارہ بنکی میں یہ شاخ کب قائم ہوئی اور یہ سید پوری صاحب کون بزرگ ہیں۔

حال ہی میں بھوپال میں ایک اردو کنونشن منعقد ہوا، جس کے بعض اعلانات سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس کا انتظام انجمن کی مقامی شاخ نے کیا ہے لیکن وہاں بھی کوئی شاخ نہیں ہے۔ جس کا الحاق مرکز سے ہو چکا ہو۔

اس طرح کی بہت سی مثالیں نظر کے سامنے آتی رہتی ہیں اور ہم ماتم کرتے ہیں اردو کے ان دوستوں کی بے عملی اور بے حسی کا جو انجمن کے نام کا بیجا اور ناجائز استعمال کرتے ہیں۔ اگر وہ انجمن کے نام کا بیجا اور ناجائز استعمال کر کے بھی اردو زبان کی کوئی ٹھوس خدمت انجام دیں تو ہم ان کی اس ناجائز کارروائی کو بھی گوارا کر سکتے ہیں، لیکن اگر مقصد صرف اتنا ہو کہ سال میں ایک دفعہ یوم آزادی کے موقع پر انجمن کے نام سے مشاعرہ کر لیا جائے۔ وہ بھی شاید اس لئے کہ حکام عالی شان سے کچھ تقرب حاصل ہو اور نام سرکار کے عقیدت مندوں میں لکھا جائے!! تو مرکزی انجمن کے ساتھ یہ ایک نہایت تکلیف دہ مذاق ہے۔ جس کی زیادہ عرصے تک اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہندی پرچار سبھا حیدرآباد کو

حکومت ہند کی امداد

سبھا کے معتمد تعلیمی شری سری نواس لاہوٹی اطلاع دیتے ہیں کہ:

"وزارت تعلیم حکومت ہند نے حیدرآباد راجیہ ہندی پرچار سبھا کو (۲۰۴) ہزار روپیہ کی امداد عطا کی ہے۔ سبھا اس وقت تلگو، مراٹھی، کنڑی اور اردو کی ادبی تاریخیں ہندی زبان میں شائع کرنے کے علاوہ اردو ہندی اور ہندی اردو ڈکشنریاں مرتب کر رہی ہے۔ حکومت ہند کی یہ امداد ان اسکیموں پر صرف کی جائے گی ــــــ توقع ہے کہ سبھا اس کام کو ۱۹۶۱ء تک ختم کر دے گی۔

ہندی پرچار سبھا ہی جنوبی ہند میں وہ پہلا ادارہ ہے جسے مرکزی حکومت نے اتنی بڑی رقم ادبی کاموں پر خرچ کرنے کے لئے عطا کی ہے۔"

حیدرآباد کی ہندی پرچار سبھا نے کام کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے جو اگر ہمارے اتر پردیش میں بھی اختیار کیا جاتا تو اردو زبان کی مخالفت کا کوئی سوال ہی اردو کے دوستوں کے لئے پیدا نہ ہوتا۔ حکومت ہند کی وزارت تعلیمات نے سبھا کو یہ عطیہ دے کر ایک مستحق ادارہ کی بدولت ہمت افزائی کی ہے۔ جس طرح سبھا کام کر رہی ہے اور کرنا چاہتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہمیں یقین ہے کہ وزارت تعلیمات کی سرپرستی میں بھی اضافہ ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ سبھا کا پروگرام بہت وسیع ہے اور اس کے کارکن بڑی بڑی تجویزوں کی تکمیل کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہندی زبان کے پرچار کا محاذ ایسا بنایا گیا ہے کہ اردو والے بھی اس محاذ پر بخوشی سبھا کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔

یہ مثال ان لوگوں کے لئے آنکھوں کا سرمہ ہو سکتی ہے جو ہندی کے پرچار کے لئے اردو کی مخالفت کرنا ضروری سمجھ رہے ہیں۔

ہلکے ہلکے اشارے

ـــــ دہلی میں یہ تجربہ کیا جا رہا ہے کہ سرکاری بسوں پر اب صرف ہندی زبان میں ان کا راستہ لکھا جاتا ہے۔

ـــــ دہلی کے ایک معاصر کو یہ شکایت ہے کہ ایک دن بہت سے مسافروں نے یہ دھوکہ کھایا کہ ... کے راستے کی بس کو ... کے راستے کی بس سمجھ لیا اور کہیں سے کہیں پہنچ گئے!

ـــــ ایسا ہوا اس لئے کہ بقول معاصر ہندی میں ... کا منہ بہت زیادہ انگریزی کے ... کے منہ سے ملتا جلتا ہے۔

ـــــ اگر سرکاری زبان کے پرچار کے لئے بسوں کے مسافر اپنا راستہ بھول جائیں اور

قرول باغ جانے کے بجائے سدر بازار پہنچ جائیں تو ہماری زبان کی خاطر اتنی سی قربانی کوئی ایسی بڑی قربانی اور زحمت نہیں ہے جس کی شکایت کی جائے !!

—— ایک نامہ نگار شکایت کرتے ہیں کہ گنیش گنج اردو کے مدرسے میں اردو کی تعلیم کا کچھ انتظام تو کیا گیا ہے۔ لیکن کوئی استاد اردو جاننے والا موجود نہیں! —— یہی ہے تو انتظام کی خوبی ہے !!

—— پھر یہ بھی شکایت کی گئی ہے کہ جن طالب علموں نے پہلے ہندی کی تعلیم کے رجسٹر میں اپنا نام لکھایا تھا اب وہ چاہتے ہیں کہ اردو کی تعلیم کے رجسٹر میں اپنا نام لکھائیں تو انھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی —— ظاہر ہے کہ ہندی رجسٹر کے لوح محفوظ پر جو نام لکھا جا چکا، وہ مٹایا کس طرح جائے !!

—— بہرحال یہ خبر سن کر خوشی ہوتی ہے کہ مدرسوں میں اردو کی تعلیم کے احکام جاری ہو چکے ہیں —— یہی کیا کم ہے —— اگر کتابوں اور استادوں کی کمی ہے تو شکر کے ساتھ صبر بھی ضروری ہے !! ع اتر پردیش !!

—— ناگ پور کارپوریشن میں پھر ایک دفعہ کانگریس کا اقتدار بحال ہو گیا اور اس کی تمام اسٹینڈنگ کمیٹیوں پر کانگریس والے چھا گئے ہیں۔ اس صورت حال سے اردو کے بہی خواہ بہت پریشان ہیں یہ سوچ کر اطمینان کی لہر دوڑ گئی ہے کہ شاید شری تیلی دار صاحب اپنا وعدہ پورا کریں۔ انھوں نے کانگریس کمیٹی کے دفتر میں بلا کر جب اردو اسکولوں کو توڑنے کی تجویز منظور ہو گئی تھی کہا تھا کہ میں بہت جلد دوسری تجویز پیش کراؤں گا اردو کے بہی خواہوں نے اس وعدے پر تکیہ کیا ہے اور کچھ لوگ شکلاجی کی طرف دیکھ رہے ہیں۔

—— اردو کے دوستوں کو ہمارا نیاز مندانہ مشورہ یہ ہے کہ کسی شکلاجی یا پنت جی کی طرف دیکھنے کے بجائے خود اپنی طرف دیکھئے! بصارت سے زیادہ اب بصیرت کی ضرورت ہے !!

—— گورکھپور میں سکریٹری سے حاضری افسر نے دو عدد اداریے ان طلبا کو داخل کرنے سے انکار کر دیا جنھوں نے فارم میں اپنی مادری زبان اردو لکھ دی تھی۔

—— یہ ایک اخباری خبر ہے —— ہم پوچھتے ہیں کہ ان بیوقوف لڑکوں نے مادری زبان اردو لکھی ہی کیوں؟ سنسکرت لکھی ہوتی، عبرانی یا شریانی لکھی ہوتی یا لکھ دیا ہوتا کہ وہ بغیر کسی مادری زبان کے پیدا ہوئے !!

—— بہت گرما گرم بحث یہ چل رہی ہے کہ ریاست حیدرآباد کے بعض حصوں کو ملا کر کے آندھرا ایک بڑا صوبہ بنایا جائے جس کا نام اس وقت وشال آندھرا ہے۔ اس صوبے کی زبان تلنگی ہو گی۔ اب اس سلسلے میں وشال آندھرا کے حامی اس علاقے میں رہنے والے ایسے لوگوں کو اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جن کی مادری زبان اردو ہے —— ڈاکٹر جے سوریا نے وشال آندھرا میں اردو کے مستقبل کے متعلق فرمایا کہ وہ

"ہم ایسی حرکت نہیں کریں گے جیسی کہ یوپی میں اردو کو عوام پر لادنے کی کی گئی ہے۔ اردو جس کی ایک شاندار تاریخ ہے اسے یقیناً اس کا جائز مقام حاصل رہے گا۔"

—— مگر یہ باتیں اس وقت ہو رہی ہیں جبکہ ابھی وشال آندھرا بنی نہیں بنی ہے —— اردو والے بچارے کیا توقع کر سکتے ہیں۔ جب ریاستیں قائم نہیں ہوئی تھیں تو اسی طرح گاندھی جی کا نام لیا جاتا تھا اور ہندوستانی کا ذکر کیا جایا کرتا تھا —— آخر جو کچھ ہوا وہ ظاہر ہے —— یہ کہا گیا کہ حالات بدل گئے۔ اس لئے گاندھی جی کا نظریہ بھی نظر انداز کر دیا —— وشال آندھرا کی ریاست بننے کے بعد جب حالات بدلیں گے تو کیا تعجب ہے کہ ڈاکٹر جے سوریہ بھی اپنے نظریات کو بدلنے پر مجبور ہوں !!

—— بیچارے اردو والوں کا حال تو اب کچھ ایسا ہے کہ جب کسی کے منہ سے کوئی میٹھی بات سنتے ہیں تو اپنے دل سے کہتے ہیں کہ:

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں !!

انجمن کی خبریں

بنگلور بنگلور، ۱۰ اگست، انجمن ترقی اردو ریاست میسور کے عہدہ داروں کا ایک خصوصی اجلاس عالی جناب محمود شریف صاحب کی صدارت میں بروز پیر بتاریخ ۳ اگست شام کے ۵ بجے منعقد ہوا جس میں ریاست میسور میں انجمن کے استحکام، دفتر کا قیام اور ممبر سازی وغیرہ امور پر فیصلے کئے گئے۔ اور یہ بھی طے ہوا کہ یکم ستمبر بروز اتوار ۵ بجے انجمن کی ایڈہاک کمیٹی کا جلسہ عام طور پر کیا جائے۔

کرنول جناب عبدالرحمٰن صاحب جوائنٹ سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ کرنول اطلاع دیتے ہیں کہ:

ام جولائی کو جناب قاضی عبدالغفار صاحب جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند حیدرآباد سے بنگلور جاتے ہوئے کرنول اسٹیشن پر انجمن ترقی اردو کرنول کے صدر، سکریٹری، جوائنٹ سکریٹری اور دوسرے اراکین اور ممبروں سے ملاقات کی۔ انجمن کے نمائندوں اور سکریٹری نے قاضی صاحب کو ہار پہنایا اور انجمن کے صدر جناب سید غضنفر علی زیدی کنوار شرینہ کالج نے اراکین انجمن کا تعارف قاضی صاحب سے کرایا جو شرف ملاقات کی غرض سے اسٹیشن پر جمع ہوئے۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک قاضی صاحب سے گفت و شنید رہی۔ اس قلیل مدت میں قاضی صاحب نے اپنے زریں خیالات، دانشمندانہ مشوروں اور مخلصانہ ہدایات سے انجمن کے اراکین کو اردو تحریک کے لئے ایک نیا جذبہ عطا کیا تھا۔

موصوف نے انجمن کے طریق عمل کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انجمن سب سے بڑھ کر یہ کام کر رہی ہے کہ عدالت اردو کا جیتا جاگتا ثبوت محفوظ ہے اور

اردو کے بولنے، لکھنے اور پڑھنے والوں کی تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔ جہاں تک ہو سکے اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ اس اہم اور ضروری امر کی تکمیل کے لئے انجمن کا فریضہ ہے کہ ملک بھر میں شبینہ مدارس کا جال بچھا دے تاکہ ناخواندوں کی تعداد میں تخفیف ہو سکے۔ عوام کو اردو لکھنے اور پڑھنے کی ترغیب دلائی جائے اور دھرم گڈھ اور سکندرآباد کے اطراف و اکناف کے اضلاع اور تعلقوں میں بھی اردو سے ذوق رکھنے والے حضرات کی انجمنیں بنائی جائیں جن کو تعلق صوبائی انجمن سے ہو اور وہ بھی صوبائی انجمن کے طریق عمل پر کاربند رہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے صوبہ آندھرا کی سرزمین کو سراہتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان کا یہی وہ علاقہ ہے جہاں زبان کے مسئلے پر تعصبانہ نعرے نہیں لگائے جاتے۔ نفرت و عداوت کی آوازیں نہیں اٹھتیں، اشتعال انگیز ہنگامے نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سرزمین پر ہر زبان سکون و اطمینان کی سانس لیتی ہے اور اپنی بقا و ترقی کا دائرہ وسیع کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے نوجوانوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ نوجوان زبان کی حفاظت اور اس کی بقا و ترقی میں جذبات سے کام نہ لیں بلکہ آہستہ آہستہ سکون و استقلال کے ساتھ ایسے ٹھوس اور عملی اقدامات اٹھائیں جن کی بدولت زبان اردو آسمان ترقی پر آفتاب و ماہتاب بن کر درخشاں رہے۔

آخر میں قاضی صاحب نے اپنی علالت کے باعث موجودہ پروگرام ملتوی کرتے ہوئے تین ماہ بعد کرنول آنے کا وعدہ کیا۔

---

۲۶ اگست سنہ ۱۹۵۱ء بروز اتوار بوقت ۹ بجے شب بمقام اسلامیہ ہوٹل انجمن ترقی اردو شاخ کرنول کی مجلس عاملہ کا جلسہ منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا [illegible] ڈاکٹر عبدالحق نے فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب نے انجمن کے اہم اور ضروری امور پر اپنے زریں خیالات اور بیش بہا مشوروں سے انجمن کو نوازا۔

ڈاکٹر موصوف نے فرمایا کہ اردو کی بقا و ترقی کا مسئلہ صوبہ آندھرا میں بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ انجمن کا فریضہ ہے کہ وہ اردو کے تحفظ کے لئے کوشاں رہے اور جہاں تک ہو سکے اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی [illegible] رہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ انجمن کا پہلا کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ جلد کی مردم شماری کا جائزہ لے اور اس کے لحاظ سے وہاں کے تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد معلوم کرے۔ جہاں غیر تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں شبینہ مدارس قائم کئے جائیں جن میں انہیں باقاعدہ تعلیم دی جا سکے۔ اس اہم اور ضروری امر کی تکمیل کا ذمہ انجمن ترقی اردو کے اراکین اور والنٹیرس کے سر ہے۔ ہر شبینہ مدرسہ کے لئے آنریری ٹیچرس [illegible] جن کے علاوہ صاحب ذوق حضرات بھی شامل ہوں مقرر کئے جائیں اور ہر ایک [illegible] غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو پڑھائے گا [illegible] اس طریق عمل سے ان والنٹیرس پر جو اردو سے محبت رکھتے ہیں زیادہ بار نہیں پڑے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ان غیر تعلیم یافتہ عوام کی تعلیم پر جو کچھ بھی خرچ ہوگا اس کو [illegible] برداشت کرے اور [illegible] کتابیں [illegible] اور تختیاں [illegible] انجمن کی جانب سے فراہم کی جائیں۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ تمام ملکوں کے لئے ایک ہی طریقہ تعلیم کا استعمال دانشمندانہ فعل نہیں۔ انہیں تعلیم دینے سے قبل انجمن کو یہ جان لینا ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی ہے کہ آیا ان لوگوں میں اردو سیکھنے کا کہاں تک ذوق و شوق پایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو اردو سے بہت کم دلچسپی رکھتے ہیں ان کی تعلیم اور وہ لوگ جو اردو سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کی تعلیم کا طریقہ جداگانہ ہونا چاہئے۔ وہ لوگ جو اردو سیکھنے کا بہت کم ذوق رکھتے ہیں ان کو تھوڑے عرصے تک کتابوں اور تختیوں سے دور ہی رکھا جائے۔ اور انہیں تاریخی، سیاسی، ادبی اور مذہبی حکایتیں، کہانیاں، منظومات اور غزلیات آسان اور عام فہم زبان میں سنائی جائیں۔ اس طریقے کو اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک کہ ان میں اردو سیکھنے کا جذبہ شوق نہ پیدا ہو جائے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اس طریق عمل سے ان میں اردو سے دلچسپی پیدا ہونا بعید از قیاس نہیں۔

ڈاکٹر موصوف نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ انجمن کا دوسرا کام یہ ہے کہ ایک دارالمطالعہ قائم کیا جائے اور اس دارالمطالعہ میں اخبارات و رسائل کے علاوہ کتابوں کا ذخیرہ بھی کافی ہونا چاہئے اور یہ کتابیں عوام کے مطالعہ کے لئے مفت فراہم کی جائیں تاکہ ان کے دلوں میں اردو کی محبت اور اس کی ترقی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہے۔ نیز ڈاکٹر موصوف نے یہ بھی کہا کہ جس وقت انجمن کی مالی حالت قابل اطمینان ہو جائے، ایسی صورت میں مشاعرے، کانفرنس وغیرہ انجمن کے شایان شان کہلانے کے مستحق ہیں۔

گورکھپور

انجمن ترقی اردو کا ایک جلسہ ۲۵ جولائی کو [illegible] ماسٹر صاحب کے زیر صدارت حکیم ابوالکلام صاحب کے مکان پر ہوا۔ حکیم صاحب نے مختصر الفاظ میں ان رکاوٹوں کا ذکر کیا جو اردو رائج کرنے کے سلسلے میں آ رہی تھیں۔ حکیم صاحب نے بتایا کہ عسکر گنج میں حاضری افسر نے درجہ اول میں ان طلبا کے داخل کرنے سے انکار کر دیا جنہوں نے فارم میں اپنی مادری زبان اردو لکھوا دی تھی۔ حکیم صاحب نے اس سلسلے میں حسب ذیل دو تجویزیں پیش کیں جن کی تائید مہدی صاحب نے کی۔

(۱) انجمن ترقی اردو شاخ گورکھپور کا یہ جلسہ میونسپل بورڈ گورکھپور اور ڈسٹرکٹ بورڈ گورکھپور کے چیرمین سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ پرائمری اور جونیر ہائی اسکولوں میں گورنمنٹ کے احکام کے مطابق ان طلبا کو جن کی مادری زبان اردو ہے، اردو پڑھنے کی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

(۲) یہ جلسہ حاضری افسر کے اس رویہ پر غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے جس کا مظاہرہ انہوں نے عسکر گنج کے پرائمری اسکول میں کیا ہے۔ انہوں نے چند طلبا کو اسکول میں داخل کرنے سے صرف اس لئے انکار کر دیا کہ انہوں نے فارم میں اپنی مادری زبان اردو لکھوا دی تھی۔ یہ سراسر حق تلفی ہے اور یہ جلسہ اس کے خلاف پر زور احتجاج کرتے ہوئے اعلیٰ افسران بالا سے گزارش کرتا ہے کہ ایسے افسروں سے باز پرس کی جائے۔

یہ تجویزیں باتفاق رائے منظور ہوئیں اور یہ بھی طے پایا کہ ان کی نقلیں اخبارات میں اور چیرمین کے پاس بھیج دی جائیں۔ [illegible] مہدی صاحب

کی یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی کہ:۔

چیرمین میونسپل بورڈ سے ایک وفد ملاقات کرے اور ان سے درخواست کرے کہ پرائمری اسکولوں میں وہ اردو پڑھانے کا انتظام کریں اور اعلیٰ افسر سے کہا جائے وہ اپنا رویہ تبدیل کریں۔

امروہہ قمر النساء بیگم صاحبہ اطلاع دیتی ہیں کہ:۔

شعبۂ خواتین انجمن ترقی اردو امروہہ کا چھٹا ماہانہ جلسہ بتاریخ ۱۰ اگست ۱۹۶۷ء بروز جمعہ بوقت ۹ بجے شب مشہور مزاحیہ نگار شاعر جناب ماسٹر شفیق احمد صاحب ماتوی کے مکان پر منعقد ہوا جس میں خواتین کی ایک کثیر تعداد نے شرکت کی۔

سب سے پہلے طالبات کی دو مختلف پارٹیوں نے دو حمدیں پڑھیں اس کے بعد بچیوں کا پروگرام شروع کیا گیا جس میں چند نظمیں اور کہانیاں پڑھی گئیں۔ بعد ازاں سکریٹری انجمن نے جلسۂ گزشتہ کی کارروائی پڑھ کر سنائی جلسے کا پروگرام کافی طویل تھا۔ صالحہ بیگم صدر انجمن، قمر النساء بیگم سکریٹری، اختری بیگم، اعجاز بانو اور رضیہ سلطانہ نے علامہ شبلی کے ادبی کارنامے، یوم آزادی، کلام میر کی خصوصیات، سوسائٹی کی دو قسمیں جہالت اور غلامی کے عنوانات پر مضامین پڑھے جو بہت پسند کئے گئے۔

نظموں کے پروگرام میں شائستہ بیگم، تفضل فاطمہ، شکیل فاطمہ، حسین فاطمہ، امیر بانو، کشور جہاں، شوقیہ خاتون وغیرہ نے حصہ لیا۔ یہ تمام نظمیں زبان اردو اور مادر وطن کے متعلق تھیں۔ اعجاز بانو نے ایک مزاحیہ نظم بھی پڑھی جس نے جلسہ کو زعفران زار بنا دیا۔ آخر میں صدر صاحبہ نے شعبۂ خواتین کی گزشتہ ششماہی خدمات کا مختصر تذکرہ کرتے ہوئے تعلیم یافتہ خواتین سے ناخواندہ بہنوں کو دستخط کرنا سکھانے کی اپیل کی اور صاحب خانہ و حاضرین جلسہ کے شکریہ کے بعد ۱۱½ بجے جلسہ ختم کر دیا۔

خیرآباد کنہیا لال صاحب گپتا سکریٹری انجمن ترقی اردو خیرآباد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

۱۷ ستمبر ۱۹۶۷ء کو جناب خان بہادر سید اسرار الحسن صاحب کے دولت کدہ پر انجمن ترقی اردو خیرآباد کی مجلس عاملہ کا ایک جلسہ جناب مولوی ظہیر احمد صاحب فاروقی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل تجویزیں منظور ہوئیں۔

انجمن ترقی اردو خیرآباد بورڈ آف ہائی اسکول اینڈ انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن یوپی سے احتجاجاً التماس کرتی ہے کہ ہائی اسکول بورڈ نے چونکہ اعلان کیا ہے کہ السنۂ مشرقیہ کے امتحانات کو اب بورڈ تسلیم نہ کرے گا اور ان امتحانات کے پاس شدہ طلباء کو اب صرف انگریزی زبان میں ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے امتحانات دینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ حالانکہ بورڈ نے ہندی اور سنسکرت کے امتحانات کو بحال رکھا ہے لہٰذا یہ حکم قابل نظرثانی ہے اور ان طلباء کے بے حوصلگی کا باعث ہوگا جن کے پاس ایسے اسناد موجود ہیں اور جب علاقائی زبانیں مان لی گئی ہیں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ان امتحانات کے پاس شدہ طلبا کو ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ میں صرف انگریزی میں امتحان دینے سے کیوں محروم کیا جاتا ہے۔

اردو زبان — اور — دیوناگری رسم خط

ایک سوال اس عنوان سے ہماری زبان مورخہ ۱۵ جون ۱۹۶۷ء میں میرا جو مضمون شائع ہوا تھا اس کے آخر میں فاضل مدیر نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ:۔

"ابھی تک اس سوال کا کوئی جواب کسی صاحب نے نہیں دیا ہے کہ دو تین سو برس سے اردو ادب کا جو ذخیرہ فارسی رسم خط میں جمع ہوا ہے اور جو آج بھی اردو ادب کے ارتقا کی بنیاد اور روح ہے اس کا کیا حشر ہوگا اگر ہماری آئندہ نسلیں اردو رسم خط سے بیگانہ ہو گئیں اور خود ان نسلوں کا کیا حشر ہوگا جو اتنے بڑے قومی ورثہ یعنی سرمایہ سے محروم ہو جائیں گی؟

"کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں"

یہ سوال اس سے پہلے بھی فاضل مدیر بالفاظ دیگر اٹھا چکے ہیں:۔

"ان کی (یعنی میری) رائے میں یہ تو اردو ادب کی وہ تہذیبی میراث جس کے خزانے دو سو تین سو سال سے جمع ہوتے رہے ہیں بہت ہی بے قیمت ہے جس کے فنا ہو جانے سے اور اس سے اردو والوں کی آئندہ نسلوں کو محروم کر دینے سے ملک کا کوئی نقصان نہ پہنچے گا یا کسی چھو منتر کا کوئی ایسا نسخہ صدیقی صاحب کو مل گیا ہے کہ ایک دن اس تمام ذخیرے پر پھونک کر دیں گے اور چھو کے ساتھ ہی وہ سب کا سب دیوناگری رسم الخط میں منتقل ہو جائیگا"

(ہماری زبان ۱۵ دسمبر ۱۹۶۶ء)

اور اس کا جواب بھی دے چکا ہوں۔

جواب آپ نے یہ اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اگر اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم الخط اختیار کیا جائے تو اس کا ادبی ذخیرہ فنا ہو جائے گا۔ یہ محض ایک وہم ہے اور نہ مجھے چھو منتر کا کوئی نسخہ مل گیا ہے (جیسا کہ آپ فرماتے ہیں) کہ میں ایک دن اس ذخیرے پر چھو منتر کر دوں گا اور چھو کے ساتھ وہ سب کا سب دیوناگری رسم الخط میں منتقل ہو جائے گا۔ میں آپ سے دو سوال کروں گا۔

(۱) "کیا مصطفیٰ کمال پاشا نے جب ترکی میں عربی کو منسوخ کر کے رومن رسم الخط کو رواج دیا تھا تو مصطفیٰ کمال سے پہلے کا ترکی ادب ضائع ہو گیا؟ ——— اگر نہیں تو اردو ادب کا ذخیرہ کیوں ضائع ہو جائے گا؟"

(۲) "کیا مصطفیٰ کمال پاشا کو "چھو منتر" کا کوئی نسخہ مل گیا تھا

کہ اس نے ترکی ادب کے ذخیرے پر عبور کر دیا اور عبور کے ساتھ
کیا وہ سب کا سب عربی سے رومن میں منتقل ہو گیا؟
ـــــ یقیناً ترکی میں پرانی کتابوں کو رومن میں منتقل کرنے
کے لئے کافی عرصہ لگا اور یہ کام رفتہ رفتہ ہوا یہی حال
اردو کا بھی ہوگا۔ اگر اسے دیوناگری میں لکھنے کی تجویز
منظور ہو گئی" (ہماری زبان یکم فروری ۱۹۵۵ء)

یکم اور ۱۵ جولائی کے پرچوں میں اس موضوع پر کوئی مضمون شائع نہیں ہوا لیکن یکم اگست ۱۹۵۵ء میں سید یوسف حسینی صاحب نے اس مسئلے پر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار کیا۔ لیکن افسوس کہ وہ چند در چند غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں مثلاً:۔

دنیا کی زبانوں میں اردو کا مقام

حسینی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "اردو کی بے شمار خوبیوں اور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے جو باوجود اپنی کمسنی کے بین الاقوامی زبان بن گئی ہے اور مزید مقبول ہوتی ہی جا رہی ہے اور دنیا کے بیشتر ممالک میں رواج پا چکی ہے اور پا رہی ہے اور دنیا کی تیسری مقبول و کثرت سے بولی اور سمجھی جانے والی زبان قرار دی جا چکی ہے ......"

یہی خیال قدرے اختصار کے ساتھ انھوں نے مضمون کے شروع اور آخر میں ظاہر فرمایا ہے۔ لیکن میرے علم میں اردو دنیا کی نہیں بلکہ ہندستان کی تیسری مقبول ترین زبان ہے جیسا کہ اخباروں کی اشاعت سے معلوم ہوتا ہے:۔

	ہندی	انگریزی	اردو
روزنامے	۱۷۶	۷۴	۱۷۰
ہفتہ وار	۶۰۵	۲۹۹	۳۹۱
ماہنامے	۷۷۷	۴۶۵	۳۱۷
متفرق	۳۹۷	۴۳۹	۷۹
میزان	۱۹۵۵	۱۲۷۷	۹۵۷

کیا اسی طرح حسینی صاحب بھی کچھ اعداد و شمار فراہم کریں گے جن سے اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ مختلف ممالک میں اردو کی ترقی کی کیا رفتار ہے؟ اسے "بین الاقوامی" زبان بننے کا شرف کب اور کیسے حاصل ہوا؟ اور اسے دنیا کی تیسری مقبول ترین زبان کیوں کر کہا جا سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب ہندستان میں ایک رسم الخط تھا

حسینی صاحب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ "کیا ہندستان کی تاریخ میں اب تک کوئی ایسی مثال مل سکتی ہے کہ سارے ہندستان کا رسم الخط ایک ہی تھا؟"

یہ سوال ان کی تاریخ سے بے خبری کی دلیل ہے۔ اگر وہ تاریخ ہند کا مطالعہ فرمائیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ شہنشاہ اشوک کے زمانے میں بلکہ اس سے پیشتر بھی ہمارے ملک میں براہمی خط مروج تھا چنانچہ اشوک کے فرامین دیکھیے اسی خط میں ہیں جو ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس خط میں مقامی تبدیلیاں ہونے سے ہندوستان کے موجودہ رسوم خط بنے ہیں۔ اردو اور رومن کو چھوڑ کر جو باہر سے آئے ہیں، یہ مقامی تبدیلیاں بیشتر ذوق سے متعلق تھیں۔ ہندوستانی خطاطوں نے رسم خط کے اتفاق کو ختم کر دیا لیکن پھر بھی ہندوستانی رسوم میں کئی باتیں مشترک ہیں یعنی حروف کی تعداد تقریباً مساوی ہے اور ان کا تلفظ بھی یکساں ہے۔ صرف حروف کی شکلیں مختلف ہیں۔ جیسے منانے کے لئے میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ "دیوناگری رسم خط کے سوا دوسرے رسوم خط استعمال کرنے والوں سے استدعا کی جائے کہ وہ اپنے مقامی رسوم خط کو ترک کر کے اپنی زبانوں کو دیوناگری رسم خط میں لکھیں تاکہ قبل کا کھویا ہوا رسم خط کا اتحاد واپس لایا جا سکے اور ایسا کرنے سے جو فائدے حاصل ہوں گے ان کا تفصیلی ذکر کر چکا ہوں۔

اب ہو سکتا ہے کہ یہ چیز عملی طور پر ناممکن ہو لیکن میں نہیں سمجھتا کہ نظری طور پر میری تجویز میں کوئی نقص ہے۔ اگر ہندستان کی کل زبانیں دیوناگری رسم خط نہیں اپنا سکتیں تو ان میں سے زیادہ سے زیادہ کو یہ رسم خط اپنا لینا چاہئے۔

ترکی میں رسم خط کی تبدیلی

اس سلسلے میں حسینی صاحب نے یہ سوال بھی اٹھایا ہے کہ:۔

"پوچھا جا سکتا ہے کہ محض رسم خط کی تبدیلی سے ترکی میں ایسا کون سا انقلاب عظیم آ گیا؟"

جواب میں محمود علی خاں صاحب کے مضمون "ترکی میں ابتدائی تعلیم" مطبوعہ نگار (لکھنؤ) اپریل ۱۹۵۵ء کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں:۔

"مصطفےٰ کمال نے ترکی زندگی کے ہر شعبے میں عظیم الشان اصلاحات کیں ـــــ اس ذیل میں سب سے پہلی اصلاح رسم خط کی تبدیلی ہے یعنی پہلے ترکی زبان عربی رسم خط میں لکھی جاتی تھی اور اب رومن حروف میں لکھی جانے لگی۔

(منجملہ دیگر مشکلات کے جو ترکی زبان کو عربی خط میں لکھنے سے پیدا ہوتی تھیں) ایک اور مشکل یہ تھی کہ ترکی میں عربی الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں اور عربی میں ث، س، ص، ذ، ز، ظ، ض کا علیحدہ علیحدہ تلفظ ہے۔ لیکن ترکی میں صرف س اور ز کا تلفظ ہے چنانچہ املا درست کرنے میں ترکی تلفظ سے کچھ مدد نہیں مل سکتی تھی بلکہ رفتہ رفتہ جب بچے کے ذہن میں ہر ایک لفظ کی "صورت شکلی" بیٹھ جاتی تھی، تب جا کر کہیں وہ اس قابل ... ہوتا تھا کہ ثبوت، ث سے لکھے، صبر، ص سے اور سیر، س سے

وعلیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس میں کتنا وقت صرف ہوتا ہے جیسا کہ ہم کو آئے دن اردو کی تعلیم میں اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے لہٰذا اصولی رسم خط قائم رہنے کی صورت میں وہ تلفظ ادا کرنے میں مدد دیتا ہے اور نہ املا تلفظ ہی کرتے ہیں۔

رسم خط بدلنے سے ان تمام مشکلات کا یکسر خاتمہ ہو گیا اب ترکی میں ہر حرکت اور حرف علت کے لئے علیحدہ شکل موجود ہے اور ہر ایک تلفظ کی جو ترکی زبان میں پایا جاتا ہے صحیح ترجمانی ہو سکتی ہے اور اس وقت دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں صرف ترکی زبان ہی ایسی ہے جو تلفظ کے عین مطابق لکھی جاتی ہے رسم خط بدل جانے سے ترکی میں پڑھے لکھے آدمیوں کی تعداد نے اس قدر جلد ترقی کی کہ یا تو ترکی میں صرف ۷ فیصدی پڑھے لکھے آدمی پائے جاتے تھے یا اب صرف ۱۰ فیصدی جاہلوں کی تعداد رہ گئی ہے۔ کاش اردو کے علمبرداران ترقی آنکھیں کھولیں اور اپنے رسم خط میں انقلابی اصلاح کریں جس سے تمام موجودہ مشکلات دور ہو جائیں اور اردو زبان اپنی ہمسایہ اور حریف زبانوں کے ساتھ ساتھ شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکے"

اگر ہم واقعی چاہتے ہیں کہ اردو زبان کی ترقی ہو تو وہ انقلابی تبدیلی جس کی محمود علی خاں صاحب نے تمنا کی ہے اردو کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کرنے ہی سے ہو سکتی ہے۔

اردو ادب دیوناگری رسم خط میں

حسینی صاحب لکھتے ہیں کہ

"یہ خیال کہ ساری زبانوں کا لٹریچر دیوناگری میں منتقل کیا جا سکتا ہے محض دل خوش کن اور خیالی پلاؤ کی حیثیت رکھتا ہے اگر ایسا نہیں ہے تو کم از کم ایک زبان ہی کا سارا لٹریچر دیوناگری رسم الخط میں منتقل کر کے دکھا دیا جائے؟"

اس بیان کا آخری جملہ خصوصاً "دکھا دیا جائے" خوب ہے حسینی صاحب کا مطالبہ صرف دو شخص پورا کر سکتے ہیں ایک تو وہ جس کے پاس علاء الدین کا چراغ یا جادو کا ڈنڈا ہو اور دوسرا وہ جو ڈکٹیٹر ہو لیکن ان دو صورتوں میں سے یہاں ایک بھی نہیں ہے۔ اس لئے ہم ترغیب یا تشویق کے سوا کیا کر سکتے ہیں۔

میرا عقیدہ ہے کہ اردو ادب دیوناگری میں منتقل کیا جا سکتا ہے اور یہی کرنا چاہئے کیونکہ بہ نسبت کسی دوسری زبان کے اردو کا ہندی سے گہرا تعلق ہے اور ہم آپ اردو ادب کو دیوناگری رسم خط میں منتقل کریں یا نہ کریں لیکن خود ہندی والے جس ذوق و شوق سے اردو ادب کی اہم کتابوں کو دیوناگری میں منتقل کر رہے ہیں اس سے امید کی جاتی ہے کہ اردو زبان کی کل اچھی اچھی کتابیں دیوناگری خط میں منتقل ہو جائیں گی۔ چنانچہ حال ہی میں اردو ادب سے متعلق کئی کتابیں ہندی زبان میں لکھی یا ترجمہ کی گئی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱)	استاد ذوق	از پنڈت جالادت شرما	شائع کردہ ہندوستانی اکیڈمی
(۲)	بہار کی نظیر	رگھوراج کشور دھن	"
(۳)	شعر و سخن (چار حصے)	ایودھیا پرشاد گوئلی	"
(۴)	غالب	دیا شنکر گھنگھر	خود، ۱۰ لال باغ لکھنؤ
(۵)	دیوان غالب	محمود احمد ہنر	ہری پرکاشن الہ آباد
(۶)	غالب کی شاعری	برج بہاری لال سریواستو	ماتر بھاشا مندر الہ آباد
(۷)	اکبر کی شاعری	جگدیش نارائن گوڑ	"
(۸)	نوا کی شاعری	سکھدیو پرشاد سنہا بسمل	"
(۹)	بسمل	"	"
(۱۰)	تیر نظر	"	"
(۱۱)	درد دل	"	"
(۱۲)	دیوان چکبست	"	"

اور غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ جہاں تک اردو افسانوں اور ناولوں کا تعلق ہے وہ جب سابق ہندی میں ترجمہ ہو رہے ہیں حال ہی میں سعادت حسن منٹو کا ناول "[illegible]" اور امتیاز علی تاج کا ڈرامہ "انارکلی" ہماری نظر سے گزرے رتن ناتھ سرشار کا "فسانہ آزاد" اور مرزا ہادی رسوا کا ناول "امراؤ جان ادا" تب پہلے دیوناگری میں منتقل ہو چکے تھے۔

یہاں پر ایک اور نکتہ کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی زبان کے ادب کے دوسری زبان یا رسم خط میں منتقل کرنے کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ اس کی کل کتابیں شائع کی جائیں بلکہ وہ اہم کتابیں جن کے بغیر کام نہ چل سکے، اور ایسی کتابیں بہت زیادہ نہیں ہوتیں اگر ہم "دیوان چرکین" ایسی کتابوں کو دیوناگری رسم خط میں منتقل نہ بھی کریں تو اس میں اردو ادب کا کیا بگڑ جائے گا بلکہ اسے "فضلہ" سے اردو ادب کا پاک ہو جانا ہی بہتر ہے۔ اگر آپ ادب صالح کا ذوق رکھتے ہیں تو آپ محسوس کریں گے کہ اردو ادب میں تقریباً نصف کتابیں ایسی ہیں جنہیں بلا پس و پیش ردی کی ٹوکری میں ڈالا جا سکتا ہے (اور تقریباً یہی حال دنیا بھر کے لٹریچر کا ہے)

دیوناگری رسم خط میں اردو کی ہردلعزیزی

حسینی صاحب کا کہنا ہے کہ

"اس کی کیا ضمانت ہے کہ اردو زبان کے لئے دیوناگری رسم خط قبول کر لینے کے بعد ہندی والے طبقہ اردو کی اشاعت میں مدد دے گا؟"

اس کی ضمانت دو باتیں ہیں۔

(۱) ہندی والے اردو کی خوبیوں کے معترف ہیں اور اس کے شعری محاسن کو ہندی میں سمونا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے شوق سے اردو کی اہم کتابوں کو دیوناگری میں منتقل کر رہے ہیں ـــــ یہ بات سچ ہے کہ ان میں بعض اصحاب متعصب و تنگ نظر ہیں لیکن معقول لوگوں سے قوی امید اس بات کی ہے کہ وہ اردو زبان کو دیوناگری رسم خط میں دیکھ کر گلے لگائیں گے۔

کہ ہندی والوں نے اردو کو دیوناگری رسم خط میں لکھنے کی تجویز پیش کی. شروع میں مجھے اس کا علم نہ تھا اور عقل میں یہ بات نہ آتی تھی۔ یہ خیال کیا گیا تھا اور اب جو پیش کر رہے ہیں سنئے۔

"اگر ہم اردو زبان کا رسم الخط فارسی سے ناگری میں تبدیل کر دیں تو کوئی خاص فرق پیدا نہ ہوگا ہاں چند دنوں تک جو تھوڑی بہت تکلیف ہوگی وہ شدنی ہے اور اس عظیم کے مقابلے میں نفع کے برابر ہے۔"

"رسالہ رسم الخط" از مسٹر ترلوکی ناتھ ایم اے (رسالہ زمانہ جولائی ۱۹۳۸ء)

"میں لکھنوی ہوں میری مادری زبان وہ ہے جسے آپ اردو کہتے ہیں لیکن میں اسے دیوناگری خط میں لکھتا ہوں۔ مشہور اردو شعرا کا کلام دیوناگری خط میں جس آسانی سے لکھا جا سکتا ہے وہ فارسی خط کو نصیب نہیں۔ اپنی تمام اردو نثر اور نظم کو دیوناگری خط میں چھپوا دیجئے۔ دیکھئے کتنی جلد اس صورت میں اردو ادب ہندوستان میں مقبول ہوتا ہے۔ کتنی جلد لوگ اسے پڑھنا لکھنا سیکھتے ہیں۔۔۔۔ اردو کو گلے لگائیے دیوناگری خط اپنائیے اس طرح آپ اردو ادب کے سچے خادم ہوتے ہوئے ہندوستانی قومیت کے بھی معمار ہوں گے۔"

(اردو کا مسئلہ۔ از شری کالی داس کپور)
رسالہ ایجوکیشن مئی ۱۹۵۳ء

ظاہر ہے کہ ہندی کے وہ لوگ جو اردو کو دیوناگری رسم خط میں لکھنے کی تجویز پیش کر رہے ہیں، جب اپنے اس خیال کو شرمندۂ عمل ہوتے دیکھیں گے تو وہ اس کا پرجوش خیر مقدم کریں گے[1]

اردو کا ماضی، حال اور مستقبل

میں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ موجودہ حالات میں مجھے اردو کا مستقبل چند سال میں تاریک معلوم ہوتا ہے۔" اس کے جواب میں حسینی صاحب فرماتے ہیں:

"مجاہدانِ اردو کی سرگرمیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ ہی نہیں سکتے کہ اردو کا مستقبل تاریک ہے۔ محض سرکار کی سرپرستی نہ ہونے کی وجہ سے مایوس ہو جانا تاریخ سے بے خبر رہنے کا ثبوت ہے۔ دنیا کی کوئی زبان محض سرکار کی سرپرستی سے نہ ترقی کر سکی ہے اور نہ کر سکتی ہے۔"

میرے خیال میں زبان اور سیاست کا گہرا تعلق ہے۔ حکمران طبقے کی زبان بھی دوسری زبانوں پر غالب آ جاتی ہے۔ جب سے قومی زبان ہندی کو قرار دیا گیا ہے وہ شاہراہِ ترقی پر سرعت سے گامزن ہے اور اردو کا زوال شروع ہو گیا ہے

[1] [illegible] بمبئی سے "رہبر دکن" نامی ایک اردو اخبار دیوناگری رسم الخط میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ معلوم نہیں اب نکلتا ہے یا نہیں۔ بہرحال کاکا کالیلکر نے اس کی بڑی تعریف اور حوصلہ افزائی کی تھی۔ اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر اردو زبان کے بعض اخبارات دیوناگری حروف میں چھاپے جائیں تو ان کے مقبول ہونے کا کافی امکان ہے

بقول بعض نقادوں اردو کے نازک گلے پر ہندی کی چھری چل گئی ہے۔ ہندوستان میں اردو کے مصنف، انشا پرداز، مطبع سب ہی پریشان ہیں اور ان کی زبوں حالی سب پر واضح ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اردو ترقی کر رہی ہے خلافِ واقعہ ہے۔

جب تک اردو سرکاری زبان رہی اس نے ترقی کی اور اب ہندی سرکاری زبان ہو گئی ہے لہٰذا وہ ترقی کرے گی۔ ہر چیز کی ایک بازاری قیمت یعنی کھپت ہوا کرتی ہے اور اب یہ چیز اردو کو میسر نہیں۔ دفتروں کا سب کام ہندی میں ہوگا لہٰذا وہ بچے جنھیں ملازمت کرنا ہے کبھی اردو نہ پڑھیں گے یہی نہیں بعض تنگ نظر لیکن با اثر حضرات ایسی کوشش کر رہے ہیں کہ بچے اردو کی ابتدائی تعلیم حاصل نہ کر سکیں۔ لیکن اردو کے لئے دیوناگری رسم خط اختیار کر لینے سے یہ لسانی تعصب ختم ہو جائے گا۔

کہا جا سکتا ہے کہ پھر دیوناگری خط میں لکھی ہوئی اردو سے عربی اور فارسی الفاظ کا اخراج شروع ہوگا اور اردو ہندی میں تبدیل ہو جائے گی۔ لیکن اس کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔ نہ کہ ہندی والوں پر۔ ہندی سے اردو کو ممتاز کرنے کے لئے ہمیں عربی فارسی الفاظ کا استعمال کرنا ہوگا۔ چنانچہ سمجھدار ہندی والوں کی بھی یہی رائے ہے مثلاً

شری کالی داس کپور سابق پرنسپل کالی چرن انٹر کالج لکھنؤ،
رسالہ ایجوکیشن مئی

"۱۰ اگست ۱۹۱۹ء کی سرسوتی میں میرا 'ہندی اور اردو کی مخالفت' کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا تھا۔ یہ مضمون دویدی جی (مہا ویر پرشاد دویدی مدیر رسالہ) نے پسند کیا۔ ان کے خط کا ضروری حصہ درج ذیل ہے:

میری بھی یہی رائے ہے جو آپ کی ہے میں اس کے مطابق عمل بھی کرتا ہوں۔ سہل لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اردو مختلف زبان نہیں۔ عربی، فارسی کے جو الفاظ مروج ہیں انھیں بھی ہندی ہی کے الفاظ سمجھتا ہوں میرے مضامین اس بات کا ثبوت ہیں۔ پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہندی کو بگاڑ رہا ہے۔ پر اب نہیں بولتے۔ اور لوگ بھی سرسوتی کی تقلید کرنے لگے ہیں۔"

مبارک ہیں وہ اصحاب جو ایسے بلند خیالات رکھتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ہوتے ہوئے اردو زبان مٹ جائے گی۔

تعجب ہے کہ قاضی عبدالغفار صاحب اور بعض دوسرے لوگ اردو ادب کے اس ذخیرے پر جو دو تین سو سال میں جمع ہوا ہے اس قدر اہمیت دے رہے ہیں لیکن وہ ایک بات بھولے جا رہے ہیں یعنی اردو کی حیات متعین نہیں کی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دو تین ہزار سال باقی رہے۔ اس طویل مستقبل کے مقابلے میں اردو کا دو تین سو سال پرانا ماضی کیا حقیقت رکھتا ہے۔ ہمیں کوئی ایسی تدبیر کرنا ہے کہ اردو کا مستقبل اس سے زیادہ روشن اور اس سے زیادہ شاندار ہو جتنا کہ اب تک رہا ہے اور وہ دیوناگری رسم خط اختیار کرنے ہی پر

ہو سکتا ہے۔

یہ بالکل ممکن ہے کہ آئندہ دوسری زبانیں بھی مقامی رسوم خط کو ترک کر کے دیوناگری رسم خط اختیار کریں۔ لیکن یہ اسی وقت ہو سکے گا جب لوگوں میں ایک شدید قوم پرستی کا جذبہ پیدا ہو جائے گا اور ...... وہ ملک کی بہتری پر اپنے [illegible] (اس کی تشریح پہلے کر چکا ہوں) کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور اگر اس وقت بھی اردو نے اپنا رسم خط نہ بدلا تو اس کی کیا حالت ہوگی غور کیجئے! جبکہ اس وقت بھی وہ ہندی اور انگریزی کے درمیان دب کر رہ گئی ہے۔

زبان اور رسم خط کا تعلق

قاضی عبدالغفار صاحب نے ہماری زبان مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء میں لکھا تھا کہ:

"اردو کے حامیوں کی اکثریت اردو اور ہندی کو دو الگ الگ زبانیں نہیں مانتی اور اسی لئے دو رسم الخط اور ایک قومی زبان کے قائم ہونے کو ایک [illegible] مانتی ہے۔ لیکن صدیقی صاحب اور ان کے ہم خیال اصحاب کا اصرار ہے کہ قومی زبان کی یکتائی صرف ایک ہی رسم الخط سے قائم رہ سکتی ہے!! اس کا وجود دو پرچھائیوں کا بار گوارا نہیں کر سکتا۔"

اگر یہ بات صحیح ہے کہ زبان اصل چیز ہے اور رسم خط پرچھائیں کی حیثیت رکھتا ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگ اصل چیز کو چھوڑ کر سائے کے پیچھے کیوں دوڑ رہے ہیں؟

اگر زبان جسم ہے تو رسم خط لباس ہے۔ جس طرح ہم لباس تبدیل کر سکتے ہیں، اسی طرح کسی زبان کا رسم الخط بھی بدلا جا سکتا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ عام حالت میں جسم کو لباس کے مطابق نہیں بنایا جاتا بلکہ لباس کو جسم کے مطابق بنایا جاتا ہے۔ اس چیز کو سامنے رکھتے ہوئے حسینی صاحب کا یہ خیال ملاحظہ ہو۔

"یہ کہنا کہ اردو کو دیوناگری رسم الخط میں نشانات وضع کر کے آسانی سے لکھا جا سکتا ہے، ایک حد تک ٹھیک ہے لیکن اس طرح اس بات کا امکان نہیں ہے کہ دیوناگری میں اردو کو منتقل کرنے کے بعد اردو ادب کی لطافت و نزاکت، شوکت، فصاحت اور شیرینی باقی رہ جائے گی ——— کیا اردو ادب کی ان انمول خوبیوں کو لوٹ لینے کے بعد اس کی تلافی کی جا سکتی ہے"

پوچھا جا سکتا ہے کہ آخر یہ چیزیں کیوں غائب ہو جائیں گی؟ ترجمہ کرنے میں تو اس بات کا امکان ہے لیکن یہاں سوال ترجمے کا نہیں ہے بلکہ رسم خط کی تبدیلی کا ہے۔ جو کچھ اردو میں لکھا جائے گا اس کو اسی طرح دیوناگری میں لکھیں گے اور اسی طرح پڑھیں گے جیسے اردو میں پڑھتے ہیں۔ اس سے کون سا فرق پیدا ہو جائے گا؟

نازک لیکن پُرخطر خیالات

حسینی صاحب اپنے مضمون میں [illegible] مقامات پر جملے کے دلائل کے بجائے ظرافت پر اتر آتے ہیں۔ بعض تمسخر آمیز سطور ملاحظہ ہوں:

"دیوناگری میں لکھی جانے والی اردو کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے ایک محفل میں ایک شخص کی ناک کا کچھ حصہ کٹا ہو تو ایک کی آنکھ پھوٹی ہوئی ہو تو کسی کا ایک کان غائب ہے اور کسی کا آدھا سر منڈا ہو۔"

اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ نہیں چاہتے کہ اردو ادب کی اشاعت دیوناگری رسم خط میں ہو کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی صورت مسخ ہو جائے گی حالانکہ قاضی عبدالغفار صاحب نے ہماری زبان ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ء میں لکھا تھا کہ:

"کوئی بھی اردو والا اس تجویز سے اختلاف نہ کرے گا کہ اردو زبان کا ادب دیوناگری رسم الخط میں شائع ہونا چاہئے"

حسینی صاحب پہلے "اردو والے" ہیں جنہوں نے اپنے کو قاضی صاحب کے کلیہ سے مستثنیٰ کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ ایک دوسری جگہ حسینی صاحب لکھتے ہیں:

"محض تلفظ کی دقت دور بھی کی جا سکتی ہے، مگر اردو کے اس تاج محل کو گرا دینا کون سی دانائی ہے۔ تاج محل کو منہدم کر کے یہ کہنا کہ ہم اس مٹی، چونے اور سنگ مرمر سے دوسری قسم کا تاج محل بنائیں گے پاگل پن نہیں تو اور کیا ہے۔"

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کس پاگل نے اردو کے تاج محل کو منہدم کر کے دوسری وضع کا تاج محل بنانے کی بات کہی ہے؟ اردو زبان یا اردو شعر و ادب تاش کے پتوں کا گھر نہیں جو محض رسم خط کی تبدیلی سے تباہ و مسمار ہو جائے۔ حسینی صاحب کو ایسے جملے لکھنے سے جیسا کہ اس اقتباس کے آخر میں انھوں نے لکھا ہے احتراز کرنا چاہئے۔

کیا دیوناگری رسم خط ناقص ہے

رسول احمد صاحب کا کہنا ہے کہ دیوناگری رسم خط ناقص ہے۔ اس میں اردو کو صحیح نہیں لکھا جا سکتا مثلاً شاعر، رہبر اس طرح لکھیں گے (शाइर) ، (रहबर) لیکن ایسی شکل میں شاعر، رہبر نہیں پڑھ سکتے بلکہ شائر و رہ بر پڑھیں گے۔ اس کا تفصیلی جواب [illegible] عرض ہے کہ رسول احمد صاحب نے اردو کے بعض الفاظ دیوناگری میں [illegible] کی جو ترکیب بتائی ہے وہ مروجہ طریقے کے خلاف ہے۔ اب حسینی صاحب [illegible] منقولہ الفاظ کو شاعر و رہبر پڑھا جائے گا [illegible] عرض ہے کہ انہیں ہم اس طرح لکھیں گے [illegible] بات کو واضح کیوں کرتے [illegible] شاعر ہی پڑھا جائے گا [illegible] جیسے [illegible]

حسینی صاحب فرماتے ہیں کہ دیوناگری رسم خط بے شمار [illegible] ہے۔ اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دیوناگری رسم خط میں [illegible] لیکن وہ بے شمار نہیں۔ [illegible] کی طرف اشارہ فرماتے ہیں [illegible] اس سے پہلے [illegible] رسم خط [illegible] سوال نہیں اٹھایا گیا ہے۔ اردو [illegible]

ہے تو اردو رسم خط بھی نقائص سے جدا نہیں ہے۔ چنانچہ وہ خود بھی لکھتے ہیں کہ:۔

"دنیا کے کسی رسم الخط میں نقائص و دقت نہیں ہے۔ خود
انگریزی کو لے لیجئے جو دنیا کی مقبول ترین زبان ہے
کیا اس کے رسم الخط کے نقائص گنائے نہیں جا سکتے۔"

لیکن میں نہیں سمجھا کہ اس کے لکھنے کی کیا ضرورت تھی جبکہ میں خود اپنے گزشتہ مضمون میں یہ سب باتیں بالتفصیل لکھ چکا ہوں۔

اردو رسم خط اور فن طباعت

میں یہاں پر اردو رسم خط کے نقائص کا ذکر کرنا نہیں چاہتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اس کی تحریر متصل ہوتی ہے اور دیوناگری کی (انگریزی کی طرح) منفصل اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج تک اردو کا کامیاب ٹائپ نہ بن سکا اور وہ لیتھوگرافی کے چکر سے آزاد نہیں ہو سکی ہے۔ آج شاید ہی دنیا کی کوئی زبان ایسی ہو جس میں ٹائپ نہ استعمال ہوتا ہو بجز اردو کے۔ طباعت کی حد تک اردو غالباً دنیا کی سب سے پسماندہ زبان ہے۔ قدامت پسند ہے۔ اَن سائنٹفک ہے۔ ہم سنگی طباعت کے عادی ہیں اور طباعت کا یہ ڈھنگ سائنسی ترقیوں سے مستفید ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جب تک اردو چھاپے خانے کے کالے کلوٹے پتھروں سے چپکی رہے گی وہ اس عہد کی مشینی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مستقبل اس سے انکار کرتا ہے۔ لیکن دیوناگری رسم خط کو اپنا کر ہمیں بھی طباعت کی تمام سہولتیں میسر آ سکتی ہیں جو ہندی کو حاصل ہیں۔

رسم الخط قومی ہو یا بین الاقوامی

حسینی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اردو (عربی یا فارسی) رسم الخط ایک بین الاقوامی رسم الخط ہے
جو دنیا کے مختلف حصوں میں رائج ہے اور غالباً انگریزی
یا رومن رسم الخط کے بعد اسی رسم الخط کا دنیا میں دور دورہ
ہے۔ ایسے عالمگیر رسم الخط کو چھوڑ کر ایک مقامی زبان
(ناگری) کا رسم الخط اپنا لینا کون سی دانشمندی ہے؟"

اس کے متعلق مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جب لوگوں کے سامنے ایک قومی زبان یا قومی رسم الخط کا مسئلہ رکھا جاتا ہے تو وہ بین الاقوامی زبان یا رسم خط کو مقابلے پر لے آتے ہیں۔ میرے نزدیک کسی بھی چیز کا بین الاقوامی پہلو لینے سے پہلے قومی پہلو لینا چاہئے۔ ہندوستان میں ابھی تک قومیت کے جذبات پوری طور پر بیدار نہیں ہوئے ہیں جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ بہت سے لوگ دوسرے ملکوں یا وہاں کے باشندوں اور وہاں کی چیزوں کو تو اپنا سمجھتے ہیں لیکن اپنوں کو اپنا نہیں سمجھتے۔ انہیں باہر والوں سے دلچسپی ہے لیکن اپنے ملک کا خیال نہیں ہے۔ مانا کہ رسم خط دنیا کے ایک بڑے حصے میں رائج ہو لیکن ہمارے رسم خط کا اس کے مقدور سے باہر ہے۔ لیکن ہمارے ملک کا رسم خط؟ دوسرے ملکوں میں مروّج ہونا تو درکنار خود اس ملک میں ایک رسم خط نہیں ہے بلکہ درجنوں ہیں۔ اس صورت میں کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہے کہ اگر ہم اپنے رسم خط کو دوسرے ملکوں میں نہیں رائج کر سکتے تو کم از کم اپنے ہی ملک کو رسم خط کے معاملے میں متحد کر لیں۔ مگر آج

دیوناگری رسم خط ملک کے ایک گوشے میں رائج ہے تو کوشش کر کے اسے سارے ملک میں پھیلایا جا سکتا ہے اور قوم پرستی کا یہ تقاضا ہے کہ ایسا کیا جائے اور ضرور کیا جائے۔

محمد اسحاق صدیقی

نوٹ:۔ جب میں اس مضمون کو لکھ کر فارغ ہوا تو مجھے "ہماری زبان" کا ۸/ اگست ۱۹۵۳ء کا پرچہ موصول ہوا۔ اس میں رسول احمد صاحب کا جو مضمون ہے اس کا جواب میں آئندہ دوں گا کیونکہ موجودہ مضمون کافی طویل ہو گیا ہے۔

مدھیہ پردیش

جناب اڈیٹر صاحب "ہماری زبان"

جمعیۃ علماء ہند کے ایک خادم کی حیثیت سے مجھے راجستھان، سی پی و برار (مدھیہ پردیش) وغیرہ میں جمعیۃ کی تنظیم اور اس کے تعمیری پروگرام کے اجراء کا کس قدر موقع ملا ہے۔ اور اب چھ ماہ سے یوپی میں یہی فرائض میرے ذمے ہیں۔ عرصہ سے خیال تھا کہ "ترقی اردو" کی مہم میں دوران سفر جو کچھ واقعات و تجربات یا معاملات پیش آئے ہیں ان سے "مرکز" کو باخبر کر دوں۔

اتفاق سے اورنگ آباد کانفرنس کے موقع پر اردو کانفرنس کا اہم پروگرام اس باب کے لئے محرک ہو گیا کہ میں اپنی معروضات میں مزید تاخیر نہ کروں۔ لہذا حسب ذیل امور پیش خدمت ہیں۔

(۱) سی پی و برار جسے اب مدھیہ پردیش کہا جاتا ہے۔ بائیس اضلاع پر مشتمل ہے۔ مگر لسانی و سیاسی اور تاریخی اعتبار سے وہ تین حلقوں میں بٹا ہوا ہے۔ برار (جسے اب ودربھ بھی کہتے ہیں) چھتیس گڑھ (رائے پور وغیرہ) مہاکوشل (جبل پور، چھندواڑہ وغیرہ) انقلاب ۱۹۴۷ء سے قبل سیاسی تنظیمیں ان علاقوں کو الگ الگ صوبائی حیثیت دیتی تھیں۔ اگرچہ حکومتی نظام ایک ہی (سی پی و برار) رہا۔ اب ان حلقوں میں دوسرے نقطۂ نظر سے بھی غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو کا جو کام ۱۹۴۷ء سے قبل ہوا ہے اس کی تفصیلات سے مجھے چنداں واقفیت نہیں۔ لیکن مجھے اس سلسلے میں جو واقفیت ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ چھتیس گڑھ (جس میں تو ۸ ضلع ہیں) ان کی انجمن الگ ہی "رائے پور" میں ہے جس کے معتمد بابو عبد الکریم صاحب [illegible] ہیں۔ بلاسپور۔ پنڈرا روڈ وغیرہ میں مقامی شاخیں بھی ہیں۔

مہاکوشل میں سوائے برہان پور کے شاید کہیں نظام نہیں۔ البتہ برار کے ہر جگہ انجمن کی شاخیں ہیں۔ ان تفصیلات سے "مرکز" بخوبی واقف ہے۔ ان تمام مقامات پر اکثر کارکنوں سے ملنے کا اتفاق ہوا جس سے اندازہ ہوا کہ تعمیر سازی میں ہر جگہ کمی ہے۔ صوبے کے نظام سے رابطہ میں کمزوری ہے۔

(۲) جہاں تک صوبائی نظام کا تعلق ہے۔ اسے تقریباً ڈیڑھ سال قبل انتخابی شکل ناگپور میں دی گئی اور اس کا مرکز کامٹی رکھا گیا۔ جبکہ صدر [illegible] صاحب ہوئے اور ان کی نیابت میں ڈویژن کے اعتبار سے چار نائب صدر اور بعض نظماء نامزد ہوئے لیکن اس کے بعد مجھے قریب سے مدد کر جائزہ لینے

کا موقع ملتا رہا مگر کوئی قدم ترقی کی طرف اٹھتا نظر نہیں آیا۔

اس کے اسباب خواہ کچھ ہوں۔ مگر علاقہ وار سوال کا حل نکالنا ازحد ضروری ہے۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ جمعیۃ علماء کا ایک ہی صوبائی نظام ہے اور اس کے اکثر کارکن جہاں "انجمن ترقی اردو" سے مربوط ہیں۔ اور جمعیۃ کی جانب اردو کی حمایت میں وقتاً فوقتاً تحریکیں اٹھتی رہتی ہیں۔ اس کا ایک تجربہ اس وقت ہوا جبکہ گزشتہ سال جولائی ۵۸ء [?] میں ناگپور کارپوریشن نے اردو پرائمری اسکول تبدیج بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ مقامی انجمن یا اسٹیٹ انجمن فوری ایکشن نہ لے سکی جمعیۃ علماء نے محبان اردو کی مجلس بلائی جس میں شہر کے باتفریق مذہب وملت سب ہی مدعو تھے۔ جس کے نتیجے میں اردو کمیٹی بنی اور اب اس میں صدارت ونظامت انجمن کو دے دی گئی جن پر اسٹیٹ انجمن کی ذمہ داری ہے اس تحریک کا نتیجہ بالآخر یہ نکلا کہ شہر کی مختلف الخیال سیاسی جماعتیں بھی اس مطالبے میں ہم نوا ہو گئیں اور چھ ماہ کے بعد دسمبر ۵۸ء [?] میں کارپوریشن نے تعلیم اردو کی بحالی اور آئندہ مزید اسکول کھولنے کا پروگرام بنایا۔ یہ ایک معمولی مثال ہے۔

برہان پور جمعیۃ کے ناظم اعلیٰ حاجی صلاح الدین صاحب بی۔اے مالک اولیا بیڑی فیکٹری نے اردو کانفرنس زیر صدارت پنڈت سندر لال جی کرکے اپنے عزم وہمت کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف ایک عرصہ تک برار میں اور کبھی ناگپور میں اسٹیٹ انجمن کی سالانہ کانفرنس کا چرچا سننے میں آتا رہا۔ دیکھئے یہ کام کب پورا ہوتا ہے۔

بہرحال جہاں تک میں سمجھا ہوں۔

(۱) نئی ممبر سازی یا موجودہ ممبر سازی میں مزید توسیع کرکے۔ ایک سسٹم میں مقامی کمیٹیوں کے انتخاب کرائے جائیں۔

(۲) ضلع وار یا علاقہ وار نظام قائم کئے جائیں اور بالآخر ایک صوبائی نظام بھی قائم کیا جائے۔ جو بہت باضابطہ ہو۔

(۳) انتخاب عہدہ داران صوبے میں اس کی رعایت رکھی جائے کہ علاقہ واریت سے بالاتر ہو اور ہر حلقے کے لئے محبوب ومسلم ہوں۔ مثلاً جمعیۃ میں جب ایسے صفات کی شخصیت مطلوب ہوئی تو بالآخر نواب غلام دستگیر خاں صاحب (ذیر اسٹیٹ نواب محی الدین خاں صاحب مرحوم) بہادرا ہاؤس لمرادتی روڈ ناگپور۔ کو شہری جمعیۃ ناگپور کا صدر بنایا گیا۔ جو ۲۹ نومبر ۵۸ء [?] کو ہونے والی صوبائی جمعیۃ کے اجلاس کے صدر استقبالیہ بھی بنے۔ اور اس اجلاس کی شاندار کامیابی پر انگریزی کے روزنامے ناگپور ٹائمز اور ہتواد۔ ہندی کے نوبھارت نے مقالے لکھے۔ تو ایسی شخصیتوں کی تلاش سی۔پی وبرار میں مشکل نہیں۔ کوشش یہ کی جائے کہ ہر شاخ اپنے مالی معاملات میں خود کفیل ہو اور اس کا انحصار مقامی کارکنوں کے بہتر منتخب کئے جانے پر ہے۔

چنانچہ صوبہ جمعیت کے تین چار اجلاسوں میں ۷۵ فیصدی ارکان کی حاضری ہوئی تھی جو اپنے مصارف سفر کے خود کفیل ہوتے تھے۔ یہ اس لئے کہ ان میں یہ جذبہ پیدا کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ مرکز کی طرف دیکھنے کے بجائے خود اپنے کو مستحکم بنائیں۔ دسمبر و جنوری ۵۸ء [?] میں حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے سی۔پی وبرار کا دورہ تنظیم کے لئے فرمایا۔ ابھی نظام کی ابتداء تھی مگر اضلاع اور مقامی جمعیتوں نے سوا چھ ہزار روپے سے مرکز کی مالی امداد کی۔

میرے سامنے ایک مذہبی تعلیمی اصلاحی نظام کی یہ مثال ہے۔ اس صوبے میں جہاں اسی نظام کے اکثر کارکن انجمن ترقی اردو سے وابستہ ہیں میرا خیال انجمن اور اس کی شاخوں کو مضبوط بنانے کے لئے میرے یہ اشارات بہت کافی اور وافی ہوں گے۔

اس سلسلے میں اگر کوئی تفصیل یا خدمت مطلوب ہو تو انشاءاللہ تعالیٰ کمر بستہ ہوگا۔ والسلام

خادم (محمد عاقل الٰہ آبادی)
(سابق آرگنائزر جمعیۃ علمائے ہند
ناظم جمعیۃ علماء صوبہ یو۔پی)

تبصرہ

علوم عرب
(غیر مسلموں کی نظر میں)

ملنے کا پتہ:۔ کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد۔ دہلی

قیمت مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

"علوم عرب غیر مسلموں کی نظر میں" مولانا عبدالباطن صاحب جونپوری کی قابل قدر تالیف ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جملہ علوم وفنون کے موجد اور سرپرست "عرب مسلمان" تھے۔

فاضل مولف نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں مورخین یورپ کی بے لاگ شہادتیں انہیں کی کتابوں سے فراہم کی ہیں جو ناقابل تردید ہیں اس کتاب کا مطالعہ ان لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہے جو ہر ترقی یافتہ ایجاد واکتشافات اور تحقیق کو یورپ کا کارنامہ کہتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا دور عروج اپنی ترقی اور تہذیب وشائستگی کی بڑی لمبی فہرست رکھتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یورپ نے اگر مسلمانوں کو اپنا استاد نہ بنایا ہوتا تو وہ موجودہ ترقی کی روشنی سے محروم رہتا۔

کشمکش

ملنے کا پتہ:۔ بیت الاشاعت مہاودی۔ ناگپور

قیمت تین روپے۔

کشمکش نئے طرز فکر کا اصلاحی ڈرامہ ہے جس کے مصنف سید رفیع الدین اشفاق ہیں۔ جو ناگپور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کے صدر ہیں رفیع الدین صاحب علی گڑھ یونیورسٹی کے تربیت یافتہ ہیں ان کے قلم سے اگر سر سید اور حالی کی آوازیں بیک وقت لب ولہجے کے تغیر کے ساتھ سنائی دیتی ہیں تو تعجب کیا اس ڈرامے کی یوں تو کئی خوبیاں ستائش کے قابل ہیں مگر سب سے بڑی خوبی اس کی یہ ہے کہ اس میں ایک لائق مطالعہ کتاب کی ساری خوبیاں جمع کر دی گئی ہیں اور زبان وبیان کی دلاویزی کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ کی چاشنی

اس میں اتنی موجود ہیں کہ مطالعہ سے جی نہیں گھبراتا

ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کے بعد مولوی احسان اللہ عباسی مرحوم وکیل گورکھپور نے بھی اس قسم کے کئی ناول شائع کئے تھے جن میں اسلامی تہذیب و معاشرت کی شائستگی دکھائی گئی تھی۔ افسوس ہے کہ اب یہ ناول نایاب ہیں۔

ترجمہ ڈرامہ جیسے ناول لکھنے میں بھی ذمہ داری ہاتھ دھوکر پیچھے نہیں پڑے گی۔ ایک متکرانہ ادبی تخلیق۔۔ ہونے کے علاوہ دو قوی دلائل کی کتاب بھی ہے۔ جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام ہی ایک ایسا مکمل نظام حیات ہے جس کے سائے میں دنیا سکون پا سکتی ہے اور انسانیت کا حسن نکھر سکتا ہے۔

یہ کتاب اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اگر داخل کرلی جائے تو بچوں کی اخلاقی زندگی کو پاکیزہ بنانے میں بڑی معاون ثابت ہوگی۔،،

نئی مطبوعات

انتخاب کلام وجد

چند اہل نظر کی رائیں

قیمت ـــــ ایک روپیہ ـــــ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ :۔ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

حیدرآباد کے مشہور شاعر سکندر علی صاحب وجد کے کلام کا مختصر انتخاب ہے۔ وجد صاحب کا نام اردو شعر و ادب سے ذوق رکھنے والے اصحاب کے لئے نیا نہیں ہے۔ وہ اپنے اسلوب بیان اور ایک خاص انداز فکر کی وجہ سے اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور جو کچھ بھی کہتے ہیں اس میں ان کا فطری سوز و گداز نمایاں رہتا ہے

جناب نیاز فتح پوری

وحید کا کلام پاکیزگی خیال اور حسن ادا کا مرقع ہے غزلیں گو تھوڑی ہیں لیکن تمام کی تمام صاف و سادہ اور دلکش ہیں وحید کی شاعری میں حسن بیان اور حسن خیال کا امتزاج بڑا نکھرا ہوا نظر آتا ہے۔

پروفیسر اعجاز صدیقی

وحید کو اردو کا کیٹس کہا جا سکتا ہے۔ ان کی فطرت میں سوز و گداز رچا ہوا ہے۔ وہ جذبات و واردات سے گزر کر شعر کہتے ہیں خیال کی بلندی، جذبہ کی وارفتگی، فکر کی صحت مندی، موزوں الفاظ اور خوبصورت تراکیب کے ساتھ۔ ہر چند ان کی اساس شعری، عشق و محبت ہی ہے، وہ رومانی فضاؤں میں سانس لیتے رہے ہیں۔ لیکن ان کے یہاں صرف لطیف تغزل ہی نہیں ہے بلکہ اکثر اشعار میں تفکر بھی پایا جاتا ہے۔

مولانا عبدالماجد دریابادی

وجد حیدرآبادی، اچھے ہونہار اور خوش گو شاعروں میں ہیں۔ ان کے کلام کا تازہ انتخاب ہے جو عمدہ ٹائپ میں نکلا ہے

طبیعت کی ذہانت اور کلام کی شوخی و رنگینی کا رنگ اب بھی وہی ہے اور غزلیں خوب ہیں ،،

اخبار مدینہ

ظاہری خوبیوں کے علاوہ۔ وحید کے کلام کی معنوی حسن کاریاں بات بات میں اک بات پیدا کررہی ہیں۔ اردو کے نوجوان شعراء میں انھوں نے اپنا ایک مقام پیدا کرلیا ہے۔ ان کے کلام کی روح ان کا فطری سوز و گداز، ان کے احساس کی شدت ان کی تیز نگاہی اور اردو زبان و بیان پر ان کا عبور ہے

پرنٹر و پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی سے چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا۔